یوتھنیزیا"Euthanasia"(قتل بہ جذبۂ رحم)

کی شرعی حیثیت

مولانا مفتی عامر نواز

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ المرکز الاسلامی بنوں

تمہید: حامداً و مصلیاً:

زمانہ جوں جوں ترقی کرتا گیا، اسباب و وسائل بھی ترقی کرتے گئے، ترقی کا معیار بدلا اور بہت سے کاموں میں ترقی کے انداز بدلے جو کام پہلے بھیانہ اور وحشیانہ انداز میں ہوتا تھا اور بہیمت اور وحشیت کی وجہ سے اسے غیر شریفانہ یا غیر انسانی کام سمجھا جاتا تھا، اب دور جدید میں انسان نے اس کام کو مہذب طریقہ پر جدید آلات کے ذریعے کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً پہلے قتل نفس کے طریقے اور وسائل بہت محدود تھے۔ اور انداز بھی غیر مہذب تھا لیکن اس ترقی یافتہ دور میں اس کے طریقے بے شمار ہو گئے ہیں۔

اسلام نے وہ تمام راستے بند کر دیے ہیں، جو قتل نفس تک لے جانے والے ہیں۔ یا جن سے قتل نفس کا شائبہ ہوتا ہے۔ قصاص، ارتداد اور محصن شخص کا ارتکاب زنا کرنے کے علاوہ قتل کی تمام صورتیں حرام قرار دی ہیں، خواہ خودکشی ہو یا روح پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل ہو یا لڑکیوں کو زمانہ جاہلیت کی طرح زندہ درگور کرنا ہو حتیٰ کہ قوت تولید کو موقوف یا ختم کرنے کی تمام صورتیں (نسبندی، اختصاء وغیرہ) بھی ممنوع قرار دی ہیں۔ اور خدمت خلق کی عمومی تعلیم دی ہے ہمدردی غمگساری اور جذبہ تعاطف، تراحم کو فروغ دیا اور اس پر آمادہ بھی کیا ہے جانوروں کیساتھ بھی مہربانی اور اچھے سلوک کا حکم ہے صرف باغیوں کیساتھ ہمدردی ناپسندیدہ ہے۔

یوتھنیزیا"Euthanasisa" جس کا مقصد بنیادی طور پر مریض کو اور اس کے اعزاء کو طویل تکالیف سے نجات دلانا ہے، اس کے پس پردہ بے شمار مفاسد پائے جاتے ہیں بے رحمی، شقاوت قلبی، تیمارداری سے فرار اور سب سے بڑھ کر انسانیت کا قتل جسے شریعت کبھی گوارا نہیں کر سکتی، زیر بحث مسئلہ میں کئی خرابیاں ہیں جو غیر شریفانہ ہونے کے علاوہ غیر انسانی بھی ہیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض قبائل کے اندر لڑکیوں کو قتل کرنے اور زندہ درگور کرنے کا تصور اسی وجہ سے پیدا ہوا تھا

کہ اس کی پرورش ایک دشوار مسئلہ ہے وہ ہماری کمائی میں شریک ہو کر کھائے گی اور بڑی ہو کر اس کی شادی ہماری ذمہ لازم ہوگی اور اس پر کافی اخرجات لاگو ہونگے اور رشتہ دامادیت کا عار جدا رہا، لہٰذا اس پر خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس سے نجات حاصل کیا جائے، کیونکہ آئندہ اس سے کسی منفعت کی توقع نہیں ہے، اس نظریہ کی تردید قرآن کریم نے اس طرح کی ہے ۔

"ولا تقتلوا اولا دکم خشیته املا ق ، نحن نرز قهم وایا کم ، ان قتلهم کا ن خطا ً کبیرًا" .(بنی اسرا ئیل) .

ترجمہ:...... اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو فقر وفاقہ کے اندیشے سے، انہیں اور تمھیں روزی ہم دیتے ہیں بلاشبہ ان کا قتل بہت سنگین ہے۔

یوتھنیزیا کی تعبیر:

Euthanasia '' یوتھنیزیا '' یہ ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہے اچھی موت، انگریزی میں اس سے مراد رحم دلی کے جذبہ کے تحت مار ڈالنا یا آسان موت ہے۔ Euthanasia '' یوتھنیزیا '' کی دوسری اصطلاح ہے، ''موت میں مدد کرنا'' یا '' خودکشی میں مدد دینا '' ۔

یوتھنیزیا کی تاریخی:

اس عمل کو قدیم یونانی اور روما میں مقبولیت حاصل تھی ایشیائی مذاہب کی روایات یوتھنیزیا کو قبول کرتی ہیں بودھ دھرم، شنتو ازم، کنفوشیازم میں یہ جائز ہے جبکہ تینوں سامی مذاہب یہودیت، اسلام اور عیسائیت اسے رد کرتے ہیں، '' یوتھنیزیا '' کے حامی اور مخالف ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے جو بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ واسلم نے صحابہ کو بتایا کہ وہ شخص جہنمی ہے، جب وہ شخص زخمی ہو گیا تو اس نے اپنی تلوار سے خودکشی کر لی، کیونکہ وہ زخموں کی اذیت برداشت نہیں کر سکا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اذیت کے آخری مرحلہ میں بھی اپنی جان لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یوتھنیزیا (قتل بہ جزبہ رحم) کی اقسام:

یوتھنیزیا کی دو قسمیں ہیں: ۱)...... عملی : (Active) 2)...... غیر عملی : (Passive)

۱)...... ''عملی یوتھنیزیا'' اس کا مطلب ہے کہ مہلک مرض میں مبتلا شخص کو دوا وغیرہ کے ذریعے موت تک پہنچا دینا ہے۔ یعنی ایسا مریض جو شدید تکلیف میں مبتلا ہو یا وہ مریض جو طویل بے ہوشی کا شکار ہو اور اس کے بارے میں ڈاکٹروں کا خیال ہو کہ اس کی زندگی کی اب کوئی توقع نہیں ہے ایسے مریض کو درد کم کرنے والی تیز دوا زیادہ مقدار میں دے دی جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور ایسی شکل

اختیار کی جائے، جس سے مریض کی سانس بند ہو جائے اس کا اصل غرض مریض کے اعزاء و اقرباء، تیمارداراور رشتہ داروں کو تیمارداری کے بوجھ اور مصیبت سے نجات دلانا ہے اور ساتھ ہی مریض کیساتھ بظاہر ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ مریض شدت تکلیف کیوجہ سے نہایت بری حالت میں ہوتا ہے لہٰذا گھٹ گھٹ کر مرنے سے بہتر یہ ہے کہ بیک دفعہ موت طاری ہو جائے اور طویل تکلیف سے فوری طور پر نجات مل سکے۔

مذکورہ تصور غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے، اس لئے کہ انسانی جسم وروح اللہ تعالیٰ کا عظیم تحفہ ہے، انسان بذات خود اس کا مالک نہیں، بلکہ انسان امانت کے طور پر اس کو استعمال کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ فساد کے غرض سے اس میں قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کی قطعاً اجازت نہیں دی گئی ہے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ کوئی شدید تکلیف سے دل برداشتہ ہو کر اپنے نفس ہی کو ہلاک کر ڈالے جسے خودکشی کہا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:...... " ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة " . (۲)

ترجمہ:...... یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے۔

لہٰذا کسی انسان کے لئے دیدہ ودانستہ کوئی اقدام کرنا جس سے اس کی ہلاکت اور بربادی ہو، ہرگز جائز نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کی وعید سنائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ واسلم کا ارشاد ہے:

" من قتل نفسه بسم فسمه فى يده يتحساه فى نار جهنم خالدًا مخلدًا " (۳).

ترجمہ:...... جس شخص نے زہر کھا کر اپنی جان لے لی، پس وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اسے استعمال کرتا ہوا جہنم کی اگ میں ہمیشہ ہمشہ کے لئے داخل ہو جائے گا۔

جب کسی شخص کو خود اپنی نفس اور جسم وروح کے بارے میں خیانت، قتل اور ہلاک کرنے کی اجازت نہیں تو دوسروں کو بدرجہ اولیٰ کسی انسان کے بدن اور نفس وروح کے ساتھ ایسا عمل جس سے اس کی ہلاکت وغیرہ کا خطرہ ہو، کوئی حق نہیں ہوگا۔ اسی لئے کسی کا ناحق قتل کرنا حرام قرار دیا گیا۔ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق " . (۴).

ترجمہ:...... " اور حق کے علاوہ کسی حرام کردہ نفس کو قتل مت کرو " ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ " من قتل نفسا بغير نفس أوفساد فى الارض فكانما قتل الناس جميعا " . سورة مائدة : ۳۲).

ترجمہ:...... " جو کوئی بلا عوض کسی جان کو کسی جان کے بدلے یا بدوں کسی فساد کے جو اس سے پھیلا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس

نے تمام آدمیوں کو قتل کرڈالا "۔

ایکٹیو (Active) یوتھنیز یا میں چونکہ خودکشی یا قتل نفس کے جرم کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے یعنی اگر مریض نے شدت تکلیف نہ برداشت کرتے ہوئے ازخود دوا کا استعمال کرلیا یا ڈاکٹر نے اس کی مرضی سے دوادی یا زہر کا انجکشن دیا تو یہ خودکشی کے حکم میں ہوگا اور اگر مریض کو بتائے بغیر اس کی بیہوشی کی حالت میں ان داوؤں کا استعمال کیا جائے تو یہ قتلِ نفس کا جرم ہوگا اور یہ دونوں ناجائز اور حرام ہیں اس لئے ایکٹیو یوتھنیز یا بھی حرام ہوگا اس کا مرتکب خودکشی یا قتلِ نفس کے عظیم ترین گناہ اور وعید کا مستحق ہوگا۔

جہاں تک بات رہی بوجھل اور تکلیف دہ زندگی سے عزیز واقارب اور مریض کے نجات کی، تو یہ شریعت کی نظر میں بے وزن اور بے معنی بات ہے، کیونکہ بیماری بھی مومن کیلئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ ہے، مرض خواہ مہلک ہو یا خفیف، اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہیے کہ اسے خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر کریں، اس پر صبر کریں، بیماری، تکلیف اور ادنیٰ مصیبت پر بھی صبر کرنے کے عوض اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: " **ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا أذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ** " . (۶) .

ترجمہ:...... مرد مومن کو جو بھی دکھ، جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج وغم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کو چُبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعے اس کے گناہوں کی صفائی کردیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بیماری صرف مصیبت اور دکھ ہی نہیں، بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے مومن بندوں کے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، شریعت نے ایسے موقع پر صبر کی تلقین کی ہے، گویا اللہ کی جانب سے یہ آزمائش اور امتحان بھی ہے کہ میرا بندہ میرے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے یا جزع وفزع کے ذریعے امر الٰہی کی شکایت کرتا ہے، خواہ مہلک سے مہلک مرض کیوں نہ ہو، ایک مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ یہ اس کے حق میں بہتر ہے، گناہوں کا کفارہ ہے اور درجات کے بلندی کا ذریعہ ہے۔

قیامت کے دن جب مصیبت زدگان کو اجر دیا جائے گا تو صحیح سالم لوگ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹ لی جاتی، جیسا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا۔

" **یود اھل العافیۃ یوم القیامۃ حین یعطیٰ اھل البلاء الثواب لو أن جلودھم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض** " . (۷) .

ترجمہ:...... " قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں ہمیشہ آرام وچین سے رہے حسرت کرینگے کہ کاش! دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتی " ۔

ان ہی احادیث کے پیشِ نظر فقہاء کرام نے یہ جزئیہ لکھا ہے:"لو اصابه مرض لا يطيقه لفرط ألمه لم يجز قتل نفسه".(٨) .

ترجمہ:...... " اگر کسی شخص کو ایسا مرض ہو جائے کہ وہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لئے اپنے نفس کو قتل کر لینا جائز نہیں ہوگا " ۔

اسی طرح تیمارداروں کے لئے بھی بے انتہاء اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے جو شخص محض کسی مریض کی عیادت کے لئے جاتا ہے، مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق جب بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے جاتا ہے تو برابر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے فیض یاب ہوتا ہے۔ جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے اس انسانی اور اخلاقی وہمدردی اور مروت کی بنیاد پر جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق صبح عیادت کرنے والے کیلئے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے دعائیں کرتے رہے ہیں۔ اور شام کو عیادت کرنے والے کیلئے صبح تک دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔ (٩) ۔

ظاہر ہے کہ مسلسل کسی مریض کی تیمارداری میں مشغول رہے گا اس کی نگرانی اور دیکھ بال کرے گا، مریض کی تکلیف اور مشقت برداشت کرے گا۔ تو اس کے اجر وثواب کی کوئی انتہاء نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل اور اپنی خصوصی رحمت اس پر نازل فرمائیں گے۔ جو ایک مسلمان کے لئے دنیا ومافیھا سے بھی بڑھ کر عظیم دولت ہے، اس لئے نہ تو مریض کو طویل تکلیف سے نجات دینے کے لئے تیز دوا دے کر مارنے کی اجازت ہے اور نہ ہی تیمارداروں اور اعزاء واقارب کو تیمارداری سے چھٹکارا پانے کی غرض سے یہ درست ہے۔

یہاں اس بات کی بھی لحاظ رکھنی چاہیے کہ ایکٹیو یوتھینزیا میں مریض کو طویل تکلیف سے نجات دینے کے مقابلے میں تیمارداروں کا اس طرح کے مریض کی مشقت اور دیکھ بھال کے بوجھ سے فرار اختیار کرنے کا جذبہ زیادہ کارفرما ہے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تیمارداروں کو نجات مل جائے، جبکہ ڈاکٹروں اور تیمارداروں کی ذمہ داری ہے کہ مریض کو حتیٰ الوسع چین وسکون اور آرام فراہم کریں، اصلاح حال اور نفع مریض کا اگر ارادہ نہ ہو تو ڈاکٹروں کے لئے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :"وفی الجراحات المخفوفة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة فی المثانة ونحوها، ان قيل قد ينجو وقد يموت أو ينجو ولا يموت يعالج، وان قيل لا ينجو أصلاً لا يداوى بل يترك كذافى الظهيرية " . (١٠) .

۲)...... غیر عملی یوتھنیزیا:

اس کو ''سلبی یوتھنیزیا'' بھی کہا جاتا ہے، اس کا مطلب ہے، عمداً مریض کا علاج چھوڑ دینا تاکہ رفتہ رفتہ وہ موت تک پہنچ جائے، جیسے کینسر یا بے ہوشی یا دماغی چوٹ وغیرہ کا مریض، نمونیہ یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جو قابل علاج ہے، لیکن وارثین یا اعزاء واقارب اس کا علاج نہ کرائیں تاکہ اس کی جلد ہی موت واقع ہو جائے، یعنی ہر وہ مرض جو قابل علاج ہو مگر اس کا علاج گراں ہونے یا اس مریض کی زندگی سے ورثاء وغیرہ کا نقصان ہو یا کسی بوجھ وغیرہ کی وجہ سے اس مریض کا علاج ترک کیا جائے تاکہ وہ مر جائے اور اس کی تکلیف دہ زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو۔

درحقیقت یہ فکر مغربی تہذیب اور یورپ کے اخلاقی بحران کا نتیجہ ہے، جہاں اولاد جوان ہونے کے بعد اپنے والدین کو ''بوڑھوں کے گھر''، (Old Age Home) میں پہنچا دیتے ہیں، بوڑھے ماں باپ اولاد کو دیکھنے کے لئے ترس جاتے ہیں، مہینوں اولاد سے ملاقات نہیں ہوتی، تعجب ہے۔ جن والدین نے بڑی محنت ومشقت سے اولاد کی پرورش کی، ان کی زندگی اب اولاد کے لئے بوجھ بن گئی ہے، جبکہ اب ماں باپ اولاد کے سہارے کے محتاج ہیں، ہاں مگر جن کو آخرت پر یقین نہ ہو اور اس جہاں کو سب کچھ سمجھ رہے ہو، وہ یہاں کی تکلیف کیوں برداشت کریں، ٹھیک اسی طرح بعض لوگ اپاہج اور مجبور اولاد کا علاج نہیں کراتے، تاکہ یہ جلدی سے مر جائے اور ان کی زندگی بوجھ نہ بن جائے، ان اولاد کی والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر روح پرواز کر جاتی ہے، مگر دل میں رحم پیدا نہیں ہوتا، بلاشبہ یہ اسلامی تصور وتعلیم کے خلاف ہے، ایک انسان کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ اسباب موجود ہو اور خود اپنا یا متعلقین کا علاج نہ کرائیں، اسلام نے تو دشمنوں کے ساتھ بھی رحم وکرم، حسن سلوک اور بہتر اخلاق کا درس دیا ہے تو آپنوں کے ساتھ تو بطریق اولیٰ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ جسم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے اور اس کی حفاظت انسان کا فریضہ ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص نماز میں مصروف ہو اور کسی نابینا کو کنویں میں گر جانے کا خوف ہو تو نماز توڑ دینی واجب ہے۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **"اذا حترقت السفینة وغلب علی ظنهم انهم لو ألقوا انفسهم فی البحر خلصوا بالسباحة یجب علیهم ذلک"** (۱۱).

ترجمہ: اگر کشتی میں آگ لگ جائے اور اس میں سوار لوگوں کے غالب گمان ہو کہ اگر وہ سمندر میں کود پڑیں تو تیرنے سے جان بچ جائے گی تو سمندر میں کود کر اپنی جان کی حفاظت ان پر واجب ہے۔

ایک دوسرا جزیہ ہے: " **لو جاع لم یأکل مع قدرته حتی مات یأثم** " (۱۲).

ترجمہ: اگر کوئی بھوکا قدرت کے باوجود نہ کھائے اور مر جائے تو گنہگار ہوگا۔

غرض جہاں تک ممکن ہوسکے جان کی حفاظت کی سعی انسان کے لئے ضروری ہے۔ انسان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ موت آئے یا زندگی ملے اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، تقدیر تو تدبیر پر بحرحال غالب رہتی ہے مگر تقدیر پر توکل کرتے ہوئے تدبیر کے ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے اس بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

" بیماریوں کا علاج کرایا کرو، بڑھاپے کے علاوہ ساری بیماریاں وہ ہیں۔ جن کا علاج اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے "۔ (۱۳)۔

کتب فتاویٰ میں بعض ایسی عبارتیں ہیں جن سے ترک علاج کا مفہوم مستفاد ہوتا ہے۔ جیسے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

" الا سباب المزیلة للضرر تنقسم الیٰ مظنون کالفصد وسائر ابواب الطب وترکه لیس محظوراً ". (۱۴) .

ترجمہ: وہ سبب جس کے استعمال سے ضرر کے دور ہونے کا یقین نہیں ہو بلکہ گمان ہو جیسے فصد اور دوسری طبی تراکیب، اس طرح کے اسباب کا چھوڑ دینا ممنوع نہیں ہے۔

اس طرح کا ایک جزیہ یہ بھی ہے: " مرض او رمد فلم یعالج حتیٰ مات لا یأثم

ترجمہ:...... بیمار ہوا یا آشوب چشم ہوا اور اس نے اس کا علاج نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ شامی، مجمع الانہر، ملتقی الابحر اور دوسری کتب متداولہ میں صراحت ہے کہ ترک علاج گناہ نہیں ہے کیونکہ دوا میں دراصل کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ اصل میں شفاء دینے والے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اس کی چاہت ہو تو بغیر دوا کے بھی شفاء دے سکتا ہے اور اگر اس کی چاہت نہ ہو تو مجرب اور قیمتی سے قیمتی دوا بھی شفاء نہ دے گا، دواؤں میں قطعی طور پر کوئی اثر اور افادیت نہیں پائی جاتی، اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو تدبیر کا درجہ دیتے ہوئے ترک تدبیر کو جائز کہا ہے اور علاج کو مباح قرار دیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ارباب فقہ وفتاویٰ نے یہ بھی صراحت کی ہے۔ کہ اگر دوا سے ظن غالب کے طور پر شفاء معلوم ہو اور ترک علاج میں جان کے ضیاع کا خطرہ ہو تو دوا کا استعمال واجب ہو جائے گا جیسا کہ حالت اضطرار میں مردہ کھا کر جان کا تحفظ لازم ہے۔

غرض جسم وروح اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کی حفاظت بحرحال لازم ہے، اس لئے کہ جان بوجھ کر ترک علاج کے ذریعے نفس کو ہلاک کرنے کی اجازت نہ ہوگی، البتہ تین شکلوں میں ترک علاج کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۱)...... اسباب کا فقدان ہو۔ ۲)...... ماہر اطباء کی رائے میں شفاء یابی کا عدم امکان ہو۔

۳)...... فناء فی اللہ کے تحت رضا بالقضا کا اظہار مقصود ہو۔

جبکہ غیر عملی یوتھنیز یا (Passive) میں ان میں سے کوئی شکل بھی نہیں پائی جا رہی ہے۔ بلکہ اہلاک کی نیت سے ترک علاج کیا جا رہا ہے۔ اس لئے "انما الاعمال بالنیات" اور "الامور بمقاصدھا" کے تحت یہ بھی ایکٹیو یوتھنیز یا کی طرح حرام ہوگا کیونکہ یوتھنیز یا کی دونوں قسموں میں مقصد مریض کو ہلاک کرنا ہے، جس کی قطعاً اجازت نہیں تاہم پیسیو یوتھنیز یا کا گناہ، ایکٹیو یوتھنیز یا سے کم ہوگا، علاج اگر چہ مباح ہے۔ مگر مباحات کا حکم شرعی نیت اور مقصد کے پیش نظر مختلف ہوتا رہتا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: "واما المباحات فانها تختلف صفتها باعتبار ماقصدت لاجله". (الاشباہ: ۷۸).

ترجمہ:...... " جائز کاموں کی صفت یعنی حکم شرعی جس مقصد کے لئے وہ کام کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر بدلتا رہتا ہے ۔

اس لئے علاج اور دوا کے جائز یا واجب ہونے کی بحث سے صرف نظر کر کے بھی غور کیا جائے تو "پیسیو یوتھنیز یا" (Passive Euthanasia) کے جواز کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔

علاج کی شرعی حیثیت:

علاج کے سلسلے میں مختصر طور پر ماقبل میں مذکور ہوا کہ مباح ہے جمہور کا مذہب یہی ہے البتہ علاج شافعیہ کے نزدیک مسنون ہے۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض جزئیات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاج کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے ترک کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس مسئلہ کی مکمل تنقیح کی جائے تو پوری حقیقت یہ نہیں ہے۔

دراصل مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ علاج میں شفاء کا یقین کس حد تک ہے؟ بیماری کی تشخیص اور اس کے لئے دوا کی تجویز ڈاکٹر کے تجربہ و تحقیق پر موقوف ہے۔ ڈاکٹر نے بیماری کے لئے جس دوا کی تجویز کی ہے اس میں اس بیماری کی شفاء کی صلاحیت ہے کہ نہیں؟ اس میں کتنی واقعیت ہے؟ ۔

مسئلہ واقعیت کا ہے مقدار کا نہیں، شفاء مقدار میں ہے یا نہیں؟ یہ علم تو سوائے خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

فقہاء کی گفتگو کا اصل محور شفاء کا تیقن ہے یعنی جس طرح کھانا کھانے سے یقین ہے کہ بھوک مٹ جائے گی اور انسان

بھوک کی بناء پر نہیں مرے گا الا یہ کہ موت ہی مقدر ہو، کیا دوا کے استعمال سے بھی اسی درجہ کی شفاء کا یقین حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ ڈاکٹروں کی تمام تر تشخیص وتجویز فہم واجتہاد پر مبنی ہوتی ہے خود بیماری کی تشخیص ظنی، اوراس کے ساتھ دواؤں کی تجویز بھی ظنی، قدرتی بات ہے کہ ظنیات کو یقینیات کے ساتھ نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ چنانچہ فقہاء نے جہاں جہاں یہ حکم شرعی بیان کیا ہے کہ ترک علاج گناہ نہیں ہے وہاں اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ شفاء یقینی نہیں ہے ۔ عالمگیری میں ہے :" فلم يفعل حتى مات لايكون آثما ، لانه لم يتقين ان شفائه فيه " . (١٦).

ترجمہ:...... " مریض نے ڈاکٹر کی تجویز پر عمل نہیں کیا اور مرگیا تو گنہگار نہ ہوگا، اس لئے کہ اس علاج میں شفاء یقینی نہیں ہے " ۔

" فتاویٰ ظہیریہ " کے حوالے سے "عالمگیری" ہی میں ترک طعام اور ترک علاج میں فرق واضح کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:" والفرق أن الاكل مقدار قوته مشبع بيقين ، فكان تركه اهلا كاً و كذالك المعالجة والتداوى " . (١٧) .

(فرق یہ ہے کہ کھانے سے آسودگی کا حصول یقینی ہے اس لئے ترک طعام اپنے کو ہلاک کرنا ہے علاج ودوا کی یہ کیفیت نہیں ہے)۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:" لأن عدم الهلاک بالاکل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون وقد مر " . (١٨) .

ترجمہ:...... (اس لئے کہ کھانے سے ہلاکت سے بچ جانا۔ یقینی ہے جبکہ علاج سے شفاء ملنا ظنی ہے)۔

اسی طرح کی تصریحات بعض دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں: "فتاویٰ عالمگیری" میں فصول عمادیہ کے حوالے سے ایک اصولی بحث نقل کی گئی ہے۔ دفع ضرر کے اسباب تین طرح کے ہیں۔

۱)...... یقینی: یعنی جن سے بالیقین دفع ضرر ہوجائے مثلاً روٹی اور پانی، بھوک اور پیاس مٹانے کا یقینی ذریعہ ہیں وغیرہ۔

۲)...... ظنی: یعنی ایسے اسباب جن سے غالب امید ہو کہ دفع ضرر ہوجائے گا، مثلاً علاج معالجہ وغیرہ۔

۳)...... موہوم: دفع ضرر کا نہ یقین ہو اور نہ ظن ہو، بس ایک خیال کی حد تک کی بات ہو، مثلاً دعا، تعویز وغیرہ۔

ان تینوں طرح کے اسباب کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے اسباب کو ہلاکت سے بچنے کے لئے اختیار کرنا واجب ہے، ان کا ترک حرام ہے، دوسری قسم کے اسباب کو اختیار کرنا جائز ہے اس کا ترک حرام نہیں ہے۔ البتہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے حکم بھی مختلف ہوگا۔ کبھی مباح اور کبھی واجب ہوگا جبکہ تیسری قسم کے اسباب توکل کے خلاف ہے۔ (١٩) ۔

ترقی یافتہ طب:

ان تمام تر بحث کا خلاصہ ایک ہی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ شفاء کے یقین کا مسئلہ، جس دور میں فقہاء نے یہ بحثیں کی تھیں اُس دور میں طب اور میڈیکل سائنس نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی، اُس دور میں ڈاکٹروں اور اطباء کی تشخیصات وتجویزات کا مدار تجربہ اور ظن پر ہوا کرتا تھا، لیکن آج جبکہ میڈیکل دنیا کافی آگے بڑھ چکی ہے، اب تشخیص محض تجربہ وتفکر کی بناء پر نہیں بلکہ معائنہ اور مشاہدہ اور مشینی تجزیہ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ہر بیماری کی نوعیت وکیفیت کے لحاظ سے الگ الگ قسم کی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور ڈاکٹر یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس مرض کا یہ علاج نہ کیا گیا تو خطرناک صورت پیدا ہوسکتی ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں حکم شرعی بدل جائے گا۔

قدیم فقہاء کے زمانے میں یقینی شفاء کے معیار کا کوئی علاج موجود نہ تھا۔اس لئے ان حضرات نے علاج کو صرف مباح یا مستحب قرار دیا، اس لئے کہ تحفظ جان کے لئے یہ کوئی یقینی ذریعہ نہ تھا، لیکن جب معیار میں تبدیلی آئی اور شفاء میں ایک گونہ یقین یا کم ازکم ظن غالب کی کیفیت پیدا ہوئی اور ڈاکٹروں کے لب ولہجہ میں بھی اعتماد ویقین کا انداز آیا تو خود ان فقہاء کی تصریحات وتوجیہات کے مطابق بھی علاج کو صرف مباح کہنا مشکل ہے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی تحریر کافی اہمیت رکھتی ہے جو ان کے مجموعہ فتاوی میں موجود ہے، وہ علاج کے حکم شرعی پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **"فان الناس قد تنازعوا فی التداوی ھل ھو مباح اومستحب اوواجب ؟ والتحقیق ان منه ماهو محرم ، ومنه ماهو مكروه ، ومنه ماهو مباح ، وقد يكون منه ماهو واجب وهومايحكم انه يحمل به بقاء النفس لا بغيره كما يجب اكل الميتة عند الضرورة فانه واجب عند الائمة الاربعه وجمهور العلماء ، وقد قال مسروق " . " من اضطرالى اكل الميتة فلم يأكل حتى مات دخل النار ، فقد يحصل احيانا للانسان ان استعير المرض مالم يتعالج معه مات والعلاج المعتاد تحصل معه الحياة كالتغذية للضعيف وكا ستخراج الدم أحياناً "** . (۲۰) .

ترجمہ:...... " دواوعلاج کے بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے، بعض لوگ مباح کہتے ہیں، بعض مستحب اور بعض واجب، لیکن تحقیق یہ ہے کہ کبھی حرام، کبھی مکروہ، کبھی مباح اور کبھی مستحب اور کبھی واجب بھی ہوتا ہے وہ اس وقت جبکہ اس کے ذریعے تحفظ جان کا یقین حاصل ہوجائے، جس طرح کہ آئمہ اربعہ اور جمہور فقہاء نے بوقت ضرورت مردار کھانے کو واجب قرار دیا ہے۔ مسروق فرماتے ہیں کہ جو مردار کھانے پر مجبور ہوجائے اور نہ کھائے اور مرجائے تو جہنم میں جائے گا، اسی طرح کبھی ایسی صورت حال سے آدمی

کو شدت مرض کی صورت میں دوچار ہونا پڑتا ہے کہ اگر علاج نہیں کرائے گا تو مرجائے گا اور علاج ودوا سے زندگی بچ سکتی ہے۔ جیسے کمزور کے لئے غذا یا کبھی کبھی خون نکلوانا وغیرہ ''۔

اس لئے ایسی صورت میں کہ اگر ایک شخص نا قابل علاج مرض میں مبتلا ہو لیکن زندگی کے فوری خاتمہ کا اندیشہ نہیں ہے تو اگر اس شخص کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوجائے جو قابل علاج ہو اور علاج نہ کرنے کی صورت میں موت کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں علاج کو مباح کہنا مشکل ہے۔ بلکہ علاج واجب ہوگا اور اس صورت میں ترک علاج قتل نفس قرار پائے گا۔ اور اگر مریض کی اجازت سے ایسا کیا جائے تو یہ خودکشی ہوگی۔ قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے اس موضوع پر کافی محققانہ کلام فرمایا ہے قاضی صاحب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:'' ایک شخص ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو اطباء کی نگاہ میں لاعلاج ہے لیکن فوری طور پر مہلک نہیں ہے، اس دوران ایسا مرض لاحق ہوجاتا ہے جو طبی نقطۂ نظر سے مہلک اور جان لیوا ہے، لیکن اس نئے مرض کی ایسی دوائیں میڈیکل سائنس نے دریافت کرلی ہیں جن سے شفاء کے حصول کا ظن غالب ہے کہ ایسی صورت میں دوا سے جان بچ جائے گی اور اگر دوا استعمال نہیں کی جائے گی تو یہ شخص مرجائے گا اس کا ظن غالب ہے تو ایسے حالات میں فقہاء کی عام عبارتوں کا سہارا لے کر یہ کہنا کہ علاج مباح ہے اس لئے اس کا ترک گناہ نہیں ہوگا، صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جان بچانے کے لئے دوا کا استعمال اس صورت میں واجب ہوگا اور اس کا ترک گناہ''۔ (۲۱)۔

مباح کا غلط استعمال جائز نہیں:

خلاصہ یہ کہ علاج مباح ہو یا واجب؟ زیر بحث مسئلہ میں ترک علاج کا مقصد مریض کو موت تک پہنچانا ہے، عام حالات میں ترک علاج مباح بھی ہو تو اس مختصر صورت میں اس کو مباح نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے کہ اس مباح کا ارتکاب ایک امر محظور کے لئے کیا جارہا ہے اور شریعت کا ضابطہ ہے۔'' **انما الاعمال بالنیات** '' اور '' **الامور بمقاصدھا** ''۔

لہٰذا نیت اور مقصد کے تحت اس کا حکم بھی بدل جائے گا۔

ترک عمل بھی عمل ہے:

'' یوتھنیزیا '' میں علاج ومعالجہ سے گریز محض '' ترک '' نہیں بلکہ '' کف '' ہے، یعنی کسی کام کا نہیں کرنا، بذات خود کوئی عمل نہیں، جس پر جواز وعدم جواز کا حکم لگایا جائے، لیکن اپنے کو کسی کام سے روک لینا عمل جسمانی نہیں، لیکن عمل نفس ہے، جس کا تعلق قلب کے ارادہ سے ہے، اس لئے اس پر ثواب وعتاب مرتب ہوگا کہ انسان جس طرح عمل جسمانی کا مکلف ہے اسی طرح عمل نفسی کا بھی ذمہ دار ہے، اس لئے جن امور سے شرع نے روکا ہے ان کو نہ کرنا کوئی عمل نہیں محض ترک ہے لیکن اپنے کو اس عمل

سے روک لینا عمل ہے جسے کف کہا جاتا ہے اور اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے، دیکھیے " الاشباہ والنظائر " اور دیگر کتب اصول فقہ میں تروک کی بحث، علامہ حموی نے " حاشیہ الاشباہ " میں لکھا ہے ۔"ان الکف فعل النفس ، فان الفعل کما ینسب الی الجوارح ینسب الی النفس فحینئذٍ فالترک من حیث ھولا یتصور ان یکون مثابا علیه ". (۲۲).

ترجمہ: کف (کسی عمل سے اپنے کو روکنا) فعل نفس ہے، اس لئے کہ فعل جیسے اعضاء و جوارح کے ہوتے ہیں، نفس کے بھی ہوتے ہیں، بس ترک عمل اس حیثیت سے کہ ترک ہے اس پر ثواب کا تصور نہیں کیا جا سکتا " ۔

لیکن کسی کام سے اپنے کو باز رکھنا فعل و عمل ہے، جس پر ثواب و گناہ مرتب ہو سکتا ہے، " علامہ حموی " نے اس کی دلیل یہ لکھی ہے کہ قرآن نے قرآن کے چھوڑ دینے کو قوم کا عمل بتایا ہے:"ان قومی التخذوا ھذا القرآن مھجوراً". (۲۳) .

" اور حدیث میں حفظ لسان (یعنی زبان سے کوئی لغو اور جھوٹی بات نہ نکالنا) کو بہترین عمل قرار دیا ہے " ۔

پس زیر بحث معاملہ " یعنی یوتھنیزیا " میں علاج سے باز رہنا بھی ایک عمل ہے، جس کا مقصد جان کو ضائع کرنا ہے، پس " ایکٹیو یوتھنیزیا " میں دوا دیکر مارنا عمل جسمانی ہے۔ اور " پیسو یوتھنیزیا " میں دوا سے رک کر مارنا نفسی عمل ہے۔ اس لئے دونوں صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔

وینٹی لیٹر :

البتہ وینٹی لیٹر پر عرصہ تک ہسپتالوں میں مریضوں کو رکھا جاتا ہے اگر ماہر اطباء کی رائے میں وینٹی لیٹر پر رکھے ہوئے مریض کی شفاء یابی غیر یقینی ہے اور علاج کے اخراجات بھی ناقابل تحمل ہیں تو بہتر یہ ہے کہ مریضوں کو گھر لے آیا جائے تاکہ مرتے وقت کم از کم کلمہ تو نصیب ہو اور اعزاء و اقرباء مریض کی عیادت و مزاج پرسی کے لئے حاضر ہو سکے، انہیں بھی عیادت کا شرف حاصل ہو اور مریض کو بھی یاد الٰہی کا موقع مل سکے، اور یہ ہسپتال کی وینٹی لیٹر کی زندگی سے ہزار ہا گنا اولی اور افضل ہے۔

"فان تولوا نقل حسبی الله لا اله الا ھو علیه توکلت وھو رب العرش العظیم " .(سورۃ توبه : ۱۲۹).

قتل بہ جذبۂ رحم پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کا تبصرہ:

حضرت شیخ الاسلام صاحب مدظلہ العالی نے حضرت جندبؓ کی اس روایت:

" کا ن بر جل جراح قتل نفسه فقال الله عزوجل : بدرنی عبدی بنفسه حرمت علیه الجنة " .

کی تشریح کرتے ہوئے " قتل بہ جذبہ رحم " پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے، ذیل میں ان ہی کے الفاظ سے انعام الباری کے حوالے سے ملاحظہ ہو: اسی حدیث سے ایک سوال کا حکم معلوم ہوگیا جو آج کل بہت کثرت سے اٹھایا جارہا ہے۔ جس کو آج کل کی اصطلاح میں (MERCY KILLING) کہتے ہیں۔ یعنی رحم کھاکر، ترس کھاکر ماردینا۔

بعض اوقات کسی شخص کی بیماری اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس قدر اذیت میں ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اور اس اذیت کا مداوا و علاج کسی انسان کے پاس نہیں ہوتا۔ آج کل کی سائنس کہتی ہے کہ اس شخص کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اس کو آسان طریقے سے ماردیں، یعنی کوئی ایسا انجکشن لگادیا جائے، جس سے وہ آسانی سے مرجائے، اس لئے کہ اس کے صحت یاب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں ہے اس کے لئے باقاعدہ تحریک چل رہی ہے کہ اس کو باقاعدہ قانونی شکل دی جائے یعنی ڈاکٹر کو یہ اختیار دیا جائے کہ جب وہ کسی ایسے مریض کو دیکھے تو اس کو موت کے حوالے کردے۔ اس حدیث مبارک سے اس کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ صاحب زخمی تھے اور زخم کی تکلیف برداشت نہیں کرپارہے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو قتل کردیا، تو اس کو حدیث میں فرمایا: " بادرنی عبدی بنفسه " . اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ترس کھاکر اس کو موت دی جائے، تو ارے بھائی! تم خدا کے اختیارات کو لے کر تو دنیا میں نہیں آئے ہو، تمہیں کیا پتہ ہے کہ تم اس کی اذیت کو ناقابلِ برداشت کہہ رہے ہو اور کہہ رہے ہو کہ وہ دیکھی نہیں جارہی ہے اور کیسے وہ آخرت کے درجات اور منازل طے کررہا ہے تمہیں اس کی کیا خبر؟ پھر بے شک تم یہ دیکھ رہے ہو کہ اس کے بچنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ لیکن کتنے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اس تکلیف کے بعد لوگ بچ گئے اور وہ تکلیف ختم ہوگئی اور کیا تمہیں اس وقت کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے کہ جلد سے موت کے گھاٹ اتار کر اس کے لمحات زندگی کو ختم کردیا جائے، جبکہ یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک جملہ اس کے منہ سے ایسا نکل جائے جو اس کا بیڑہ پار کردے اور گناہوں سے اس کی مغفرت ہوجائے، اس سے پہلے اگر جہنم میں جانے والا تھا اس جملے کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے سرفراز فرمادیں گے تو تم کون ہو یہ فیصلہ کرنے والا؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن اور رحیم ہیں اسے تو رحم نہیں آرہا ہے اور تمہیں اس پر رحم آگیا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔ (۲۵)

خلاصہ بحث:

۱)...... اسلام کسی ایسے فعل کی اجازت نہیں دیتا ہے جس کے ذریعے کسی مریض کو شدید تکالیف سے نجات دلانے کے لئے موت تک پہنچادیا جائے اور موت تک پہنچانے کی تدبیر چاہے عملی ہو یا غیر عملی، اسے اختیار کرنا مریض کے لئے بھی حرام ہے کہ یہ خودکشی ہے اور اولیاء اور ڈاکٹر کے لئے بھی کیونکہ یہ قتل نفس ہے۔

۲)...... اس مقصد کے پیشِ نظر علاج ومعالجہ چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے اور یہ بھی موت تک پہنچانے کی ایک غیر عملی تدبیر ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

والله اعلم بالصواب

حوالہ جات:

۱)...... بنی اسرائیل : ۳۱
۲)...... سورۃ بقرۃ : ۹۵
۳)...... ترمذی
۴)...... سورۃ انعام : ۱۵۱
۵)...... سورۃ مائدہ: ۳۲
۶)...... صحیح بخاری ومسلم
۷)...... ترمذی
۸)...... قواعد الاحکام : ۸۵/۱
۹)...... مشکوۃ
۱۰)...... فتاویٰ عالمگیری
۱۱)...... فتاویٰ عالمگیری
۱۲)...... فتاویٰ عالمگیر :۔۱۰۳/۴
۱۳)...... ترمذی
۱۴)...... فتاویٰ عالمگیری :۳۵۵/۵
۱۵)...... الاشباہ :۷۸
۱۶)...... فتاویٰ عالمگیری :۳۵۴/۵
۱۷)...... فتاویٰ عالمگیری ۳۵۵/۵
۱۸)...... بزاز علی الهندیه :۳۶۷/۶
۱۹)...... فتاویٰ عالمگیری :۳۵۵/۵
۲۰)...... مجموعه فتاویٰ ابن تیمیه :۱۸۰/۱۲
۲۱)...... مباحث فقهیه : ۴۰۲،۴۰۱
۲۲)...... حاشیه الاشباہ
۲۳)...... سورۃ فرقان : ۳۰
۲۴)...... سورۃ توبه : ۱۲۹
۲۵)...... انعام الباری : ۵۳۹/۴

......☆☆☆☆☆......